حقیقت کی پردہ کشائی

پچھلی بحث سے یہ بات تو صاف ہوگئی کہ قرآن مجید میں مسئلہ جبر و قدر کے متعلق جو اشارات مختلف مواقع پر کئے گئے ہیں ان میں درحقیقت کوئی تناقض و تعارض نہیں ہے لیکن ایک سوال پھر بھی باقی رہ گیا، اور وہ یہ ہے کہ مخلوقاتِ عالم میں انسان کی وہ کون سی امتیازی حیثیت ہے جس کے لحاظ سے ایک طرف تو وہ تمام موجودات کی طرح خدا کا محکوم ہے، قوانین خداوندی میں جکڑا ہوا ہے، بندہ ہے، مجبور ہے، اور دوسری طرف اپنے افعال میں مختار بھی ہے، اپنے اعمال کا ذمہ دار بھی ہے، اپنی حرکات و سکنات کے لئے جواب دہ بھی ہے، جزا و سزا کا مستحق بھی ہے؟ نیز جب انسان کا حال یہ ہے اور اس کی زندگی میں جبر و اختیار اسی طرح ملے جلے ہیں، تو عدل کیونکر ممکن ہے؟ اسلئے کہ صحیح انصاف کے ساتھ جزا و سزا کا فیصلہ کرنا بغیر اس تحقیق کے ممکن نہیں ہے کہ انسان کے افعال کی ذمہ داری خود اس پر کس حد تک ہے، اور ذمہ داری کی تشخیص بغیر یہ معلوم کئے نہیں ہو سکتی کہ اس کے افعال میں اس کے آزادانہ اختیار کا کتنا حصہ ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے جب ہم قرآن مجید پر نظر ڈالتے ہیں تو اس سے ہم کو ایک ایسا تشفی بخش جواب ملتا ہے جو دنیا کی کسی دوسری کتاب۔ اور دنیا کے کسی انسانی علم و فن سے نہیں ملتا۔

مخلوقات میں انسان کی امتیازی حیثیت

قرآن ہمیں خبر دیتا ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے کائنات میں مخلوقات کی جتنی انواع موجود تھیں وہ سب اپنی فطرت کے لحاظ سے اطاعت کیش واقع ہوئی تھیں[1]۔ اختیار و ارادہ کی قوت سرے سے ان کو دی ہی نہیں گئی تھی۔ ان کا کام صرف

[1] اس کلیہ سے صرف جن مستثنیٰ ہیں جن کا مسئلہ یہاں زیر بحث نہیں ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی زندگی میں بھی جبر و اختیار کی آمیزش ہے اور ان کے اعمال کا ایک حصہ ایسا ہے جن میں وہ مختار اور جواب دہ ہیں، لیکن بہرحال وہ ان خصوصیات کے حامل نہیں ہیں جن کی بنا پر انسان کو زمین کی خلافت دی گئی ہے۔

یہ تھا کہ جس کے سپرد جو خدمت کر دی گئی اس کو وہ ایک قانون اور ایک نظام کے مطابق، ذرہ برابر سرکشی کئے بغیر بجا لاتا ہے۔ ان میں سب سے افضل مخلوق فرشتے تھے جن کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم-۱)

جو کچھ اللہ ان کو حکم دیتا ہے اور ان کی وہ نافرمانی نہیں کرتے اور جو ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

اسی طرح اجرام فلکی کی عظیم الشان ہستیاں تھیں جن کا حال یہ تھا:

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین-۳)

سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ ایک زبردست صاحب علم کا ٹھیرایا ہوا اندازہ ہے۔ اور چاند کی منزلیں ہم نے مقرر کر دی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پہلی کجی کی طرف پلٹ آتا ہے۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ چاند کو جا پکڑے۔ نہ رات کی یہ مجال کہ دن سے پہلے آ جائے سب ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔

یہی حال آسمان و زمین کی دوسری مخلوقات کا تھا کہ:

كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ (الروم-۳)

سب اس کے تابع فرمان ہیں۔

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ (انبیاء-۲)

اپنے رب کی بندگی سے نہ سرکشی کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں۔ شب و روز تسبیح میں دوڑ رہے ہیں ذرا دم نہیں لیتے۔

پھر اللہ نے چاہا کہ اپنی بنائی ہوئی مخلوقات میں سے کسی کو اپنی وہ امانت سپرد کرے جو اس وقت تک کسی کو نہ دی گئی تھی چنانچہ اس نے وہ امانت آسمان و زمین کی مخلوقات میں سے ایک ایک کے سامنے پیش کی اور ہر ایک نے زبانِ حال سے اپنی ناقابلیت اور اپنے عدم تحمل کا اقرار کیا۔

آخر کار اللہ نے اپنی تخلیق کا جدید ترین ایڈیشن نکالا جس کا نام انسان ہے اور اس نے بڑھ کر وہ بارِ امانت اٹھالیا جس کے اٹھانے کی صلاحیت اور ہمت کسی دوسری مخلوق میں نہ تھی:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ	ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے آگے
وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا	پیش کیا مگر انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ	مگر انسان نے اسے اٹھا لیا یقیناً وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا اور نادان ہے (کہ اتنا
كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (احزاب-۹)	بڑا بارِ امانت اٹھا کر اس کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا)

یہ امانت کیا تھی؟ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ علم، قدرت، اختیار، ارادہ اور فرمانروائی کا پرتو جو اسوقت تک کسی مخلوق پر نہ ڈالا گیا تھا، جس کے قبول کرنے کی صلاحیت نہ فرشتوں میں تھی، نہ اجرامِ فلکی میں نہ پہاڑوں میں، نہ زمین و آسمان کی کسی مخلوق میں۔ وہ صرف انسان تھا جو اپنی فطرت کے لحاظ سے اس پرتو کا متحمل ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ بارِ امانت اٹھالیا۔ اور اسی لئے وہ اللہ کی خلافت و نیابت کے منصب پر سرفراز ہوا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (بقرہ-۴)۔ اس بارِ امانت کے حامل، اس خلیفۃ اللہ کی ارض کی امتیازی خصوصیت، جس کی بنا پر یہ دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز ہو گیا ہے، یہ ہے کہ وہ طبعاً اطاعت کیش نہیں بنایا گیا ہے[1]۔ اس کو عام مخلوقات کی طرح نظامِ کل کے تحت قوانین و حدودِ الٰہیہ کا پابند بنانے کے ساتھ ایک ایسی قوت بھی عطا کی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ بخلاف دوسری مخلوقات کے ایک خاص دائرہ میں مجبوراً نہ اطاعت سے آزاد ہے اور اتنا اختیار رکھتا ہے کہ چاہے اطاعت کرے اور چاہے سرکشی و نافرمانی کرنے لگے۔ یہ ایسا فرق ہے جو کلام الٰہی میں تدبر کرنے والے

---

[1] یہ بات متعدد آیات قرآنی سے ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً دیکھو شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا (یونس-۱۰۰) اور وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكُوْا (انعام-۱۳) وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا خود یہ نہیں چاہتا تھا کہ انسان کو بجبر شرک سے روکے اور ایمان پر مجبور کرے۔

کو صاف نظر آتا ہے۔ قرآن مجید میں آپ کو انسان کے سوا کسی اور ایسی مخلوق کا نشان نہ ملے گا جس کی طرف اطاعت اور عصیان، فرمانبرداری اور نافرمانی، حدود اللہ کی پابندی اور ان حدود سے تجاوز، دونوں کو نسبت دی گئی ہو، اور جس کی اطاعت پر جزا اور عصیان پر سزا کے مترتب ہونے کا ذکر کیا گیا ہو۔ وہ انسان ہی ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ۔

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (بقرہ۔۲۹)	جو لوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔
وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ (اعراف۔۱۰)	انھوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ (النساء۔۹)	چاہتے ہیں کہ طاغوت کے پاس اپنا مقدمہ لے جائیں حالانکہ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ اس سے کفر کریں۔
مَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ (اعراف۔۲۰)	انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔
وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	اور جو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرے اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ .....
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا (النساء۔۲)	اور جو اللہ اور رسول کی نافرمانی کریگا اور اسکے حدود سے تجاوز کریگا اسے اللہ دوزخ میں داخل کریگا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا

یہ اور ایسی ہی بے شمار آیات ظاہر کرتی ہیں کہ انسان میں بخلاف دوسری تمام مخلوقات کے ایک ایسی قوت موجود ہے جس سے وہ اطاعت اور سرکشی دونوں پر قدرت رکھتا ہے۔ اور اسی قوت کے صحیح یا غلط استعمال سے فوز یا خسران، ثواب یا عقاب، انعام یا غضب کا مستحق ہوتا ہے۔

ہدایت و ضلالت قرآن اس مسئلہ کو اور زیادہ کھول کر بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا نے انسان کی

فطرت میں بھلے اور بُرے دونوں کی تمیز ودیعت فرمادی ہے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (الشمس) اس کو فجور اور تقویٰ دونوں کا الہامی علم دیا۔

اس کو نیکی اور بدی دونوں کے راستے بتادیئے۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد) ہم نے اسے دونوں راستے دکھادیئے۔

پھر اس کو اختیار دے دیا کہ جس راہ کو چاہے اختیار کرے۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (المزمل) جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرلے۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف) جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

ایک طرف اس کو بہکانے کے لئے اس کا ازلی دشمن شیطان موجود ہے جو بدی کی راہ کو مزین کرکے اُسے دکھاتا اور اس کی طرف رغبت دلاتا ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (الحجر) ابلیس نے کہا اے رب تو نے جو مجھے گمراہ کیا تو اب میں بھی تیرے لئے زمین میں خوشنمائیاں دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔

اور دوسری طرف اللہ کی جانب سے رسول بھیجے جاتے ہیں، کتابیں نازل کی جاتی ہیں تاکہ انسان کو نیکی کا سیدھا راستہ بدی کی راہ سے ممتاز کرکے دکھائیں۔

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ (فاطر) ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں اور صحیفے اور روشن گر کتاب لائے۔

اس طرح انسان کے اندر اور اس کے گرد وپیش مختلف قوتیں ہیں جن میں سے کوئی اس کو بدی کی طرف کھینچنے والی ہے اور کوئی نیکی کی طرف۔ ان قوتوں کے درمیان موازنہ کرنے کے لئے اس کو سمجھ بوجھ دی گئی ہے، اپنی راہ آپ دیکھنے کے لئے آنکھیں دی گئی ہیں اور اتنی قدرت دی گئی ہے کہ وہ جس راہ کو پسند کرے اس پر چل سکے۔ اگر وہ بدی کی راہ کو اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کی تمام طبیعی قوتوں اور ان

خارجی اسباب کو جو اس کے نصیب میں لکھ دئے گئے ہیں اس کا تابع فرمان بنا دیتا ہے اور یہ راہ اس کے لئے آسان کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر وہ نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ راہ بھی اس کے لئے آسان کر دی جاتی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی۔ (اللیل)

پس جس نے راہ خدا میں مال دیا اور خدا سے ڈرتا رہا اور نیکی کا کام کیا اور نیکی کی تصدیق کی اس کے لئے ہم سہل راستہ بہتر کر دیں گے اور جس نے بخل کیا اور استغنا برتا اور نیکی کو جھٹلایا اس کے لئے تنگی کی راہ تیسر کر دیں گے۔

جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے اس کے ضمیر میں ایک الٰہی قوت پھر بھی موجود رہتی ہے جو اس کو راہِ راست کی طرف دعوت دیتی رہتی ہے، مگر جب وہ اپنی کجروی پر اصرار کرتا ہے تو یہ قوت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے اور ضلالت کی بیماری بڑھتی جاتی ہے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرہ-۲)

ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔

یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے جب اِس قوت کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور اُس کے دل، آنکھوں اور کانوں پر ایسی مہر لگ جاتی ہے کہ وہ حق بات کو سمجھ نہیں سکتا، حق کی روشنی کا ادراک نہیں کر سکتا، حق کی آواز سن نہیں سکتا، اور ہدایت کے تمام راستے اس کے لئے بند ہو جاتے ہیں۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرہ-۱)

اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے ہیں۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ انسان کا اختیار اور اس کی آزادی غیر محدود ہے اور اس کو کلیتہً وہ اختیارات تفویض کر دئے گئے ہیں جو قدریہ نے فرض کر لئے ہیں۔ ہر گز نہیں انسان کو کچھ اختیار

دیا گیا ہے وہ یقیناً اُن قوانین کے ماتحت ہے جو اللہ نے تدبیر کلی اور تدابیر خرثیہ کے لئے مقرر کر رکھے ہیں اور جن کے تحت یہ سارا کارخانۂ قدرت چل رہا ہے۔ کائنات کے نظام میں انسان کی قدرت اور اس کی روحانی، نفسانی اور جسمانی قوتوں کے لئے جو حدیں اللہ نے قائم کر دی ہیں ان سے وہ ایک بال برابر بھی تجاوز کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم ہے کہ :-

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (القمر-۳) ہم نے جو چیز بھی پیدا کی ہے ایک اندازے پر پیدا کی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (الطلاق-۱) اللہ اپنے کام کو پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ ٹھیرا دیا ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (الانعام-۲) اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

عدل اور جزا و سزا یہیں سے یہ نکتہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ حقیقی عدل کرنے والا بخر خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ وہ حدود جن کے دائرے میں انسان کو اختیار حاصل ہے خدا ہی کی قائم کی ہوئی ہیں اور خدا ہی اس حقیقت کا جاننے والا ہے کہ انسان کے اعمال میں اس کے اپنے اختیار کا حصہ کتنا ہے۔ اس نے جن حدود سے انسان کے اختیار کو محدود کیا ہے ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کے حدود وہ ہیں جو تمام نوعِ بشری کے لئے من حیث المجموع قائم کئے گئے ہیں۔ اور دوسری قسم کے حدود وہ ہیں جو ہر شخص کے لئے فرداً فرداً مختلف طور پر مقرر ہیں۔ پہلی قسم کے حدود نوعی حیثیت سے تمام اولادِ آدم کے اختیار کو محدود کرتے ہیں، اور دوسری قسم کے حدود ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہیں، اس لئے ان کے اعتبار سے ہر شخص کی زندگی میں اس کے اختیار اور اس کی مجبوری کی حدیں جدا جدا ہیں۔ اپنے اعمال کے لئے انسان کا ذمہ دار ہونا اور اس ذمہ داری کے لحاظ سے جزا و سزا کا مترتب ہونا اسی مقدارِ اختیار پر موقوف ہے جس کو ہر شخص نے اپنے افعال میں استعمال کیا ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس کو تولنا، جانچنا اور ایسا ٹھیک ٹھیک حساب لگانا کہ ایک ذرہ بھر بھی کمی بیشی نہ ہو، دنیا کے کسی جج اور

کسی مجسٹریٹ کے بس کا کام نہیں ہے۔ یہ محاسبہ و موازنہ صرف فاطر السمٰوٰت والارض ہی کر سکتا ہے اور وہی قیامت کے دن اپنی عدالت کا اجلاس کرے گا یہی بات ہے جسکی طرف کلام اللہ میں جگہ جگہ اشارہ کیا گیا ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ (اعراف-۱)

اس روز وزن بالکل ٹھیک ٹھیک ہوگا جن کے اعمال خیر کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے ہماری آیات کے ساتھ ظلم کر کے اپنے آپ کو خود نقصان پہنچایا ہے

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (غاشیہ)

ان کو ہماری ہی طرف آنا ہے اور ان کا حساب ہمارے ہی ذمہ ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔

جو ذرہ برابر نیک عمل کرے گا وہ اس کا نتیجہ دیکھ لے گا اور

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (زلزال)

جو ذرہ برابر برا عمل کرے گا وہ اس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔

قرآن مجید سے مسئلہ جبر و قدر پر بس اسی حد تک روشنی پڑتی ہے اور اس سے وہ گتھیاں سلجھ جاتی ہیں جو علوم طبیعیہ اور علم الاخلاق کے مباحث میں بیان کی گئی ہیں۔ رہے وہ مابعد الطبیعی مسائل جن میں فلاسفہ اور متکلمین الجھے ہوئے ہیں، یعنی یہ کہ اللہ کے علم اور اس کی معلومات، اس کی قدرت اور اس کے مقدورات، اس کے ارادہ اور اس کے مرادات میں کس نوع کا تعلق ہے، اور اس کے علم سابق، ارادہ ازلی اور قدرت مطلقہ کے ہوتے ہوئے انسان کس طرح بااختیار اور اپنے ارادہ میں آزاد ہو سکتا ہے، تو ان مسائل سے قرآن نے کوئی بحث نہیں کی ہے، اس لئے کہ انسان ان کو سمجھ نہیں سکتا۔